حبل اللہ کی حفاظت میں جان بھی جائے تو دریغ نہ کرو۔

محمدیؐ اخلاق سے اپنے آپ کو مزین کریں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 24 / جون 1994ء بمقام ٹورانٹو، کینیڈا)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے مندرجہ ذیل آیت تلاوت کی:۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ (آل عمران: 104)

پھر فرمایا:۔

یہ آیت کریمہ جس کی میں نے تلاوت کی ہے گزشتہ تین خطبات کا بھی عنوان بنی رہی ہے آج کا عنوان بھی یہی ہے اور آئندہ بھی شاید ایک دو خطبات میں یہی مضمون چلے۔ ان آیات کی روح یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے تمہیں آگ کے گڑھے پر جب تم کنارے پر پہنچ گئے تھے وہاں سے کھینچ کر اس سے بچا لیا ہے اور اس بچانے کی علامت یہ بیان فرمائی ہے کہ تمہارے دل پھٹے ہوئے تھے تمہیں ایک ہاتھ پر ایک دل کی دھڑکن کی طرح اکٹھا کر دیا ہے اور اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہارے دلوں میں آپس میں محبت کے رشتے باندھے، ایک جان کر دیا۔ پس اس نعمت کو

اب کبھی بھلانا نہ اور ہاتھ سے چھوڑنا نہ۔ اگر تمہارا آپس کا باہمی ربطِ محبت اور باہمی تعلق دوبارہ کسی وجہ سے منغض ہوگیا، اگر پھر آپس میں افتراق پیدا ہو گئے ایک دوسرے سے پرے ہٹنے لگے تو اس کا انجام وہی ہے جہاں سے تمہیں کھینچ کر واپس لایا گیا تھا یعنی بھڑکتی ہوئی آگ کا کنارہ۔ پس قوموں کے اتحاد کے بعد جب وہ افتراق اختیار کیا کرتی ہیں تو ان کا انجام وہی انجام ہے جہاں سے قرآن کریم نے بات کا آغاز فرمایا ہے تو اس پہلو سے یہ مضمون غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے اور میں حدیث اور سنت کے حوالے سے بیان کر رہا ہوں کہ باہمی محبت کو فروغ دینے والی کون سی باتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نعمت یعنی مجسم نعمت حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم جب دنیا میں نازل ہوئے تو خدا تعالیٰ نے آپؐ کے ذریعے سے بکھرے ہوئے دلوں کو کیسے اکٹھا کیا تھا۔ وہ اخلاق حسنہ تھے جنہیں اخلاق مصطفویؐ کہا جا سکتا ہے۔ دعائیں اور عبادت، ایک اپنا مقام رکھتی ہیں لیکن دعاؤں اور عبادت کے نتیجے میں وہ اخلاق والی قومیں پیدا ہوتی ہیں جو انبیاء سے اخلاق سیکھتی اور ویسے ہی رنگ اختیار کر جاتی ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے ان کا ذکر رسولؐ سے الگ نہیں فرمایا بلکہ فرماتا ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اور پھر سب صفات اکٹھی بیان فرماتا ہے۔ پس یہ وہ مضمون ہے جس پر میں حدیث اور سنت کے حوالے سے روشنی ڈال رہا ہوں تا کہ جماعت جو مدتوں کے انتظار کے بعد تیرہ صدیوں تک امت کے دربدر پھرنے اور متفرق ہوتے چلے جانے کے بعد پھر خدا نے آسمان سے وہ رابطہ اتارا جس سے ایک دفعہ پھر حبل اللہ پر ہمارا ہاتھ پڑ گیا اور حبل اللہ پر ہاتھ پڑے بغیر یعنی اللہ کی رسی کو تھامے بغیر متفرق اور منتشر قومیں اکٹھی نہیں ہوا کرتیں۔ **پس اس نعمت کی قدر کرو اور کسی قیمت پر بھی حقیقت میں جان بھی جائے تو اس رسی کو ہاتھ سے جانے نہ دو اور جو بھی جماعت میں افتراق کی باتیں کرتا ہے یا اس کے رویّے سے دُوریاں پیدا ہوتی ہیں وہ جان لے کہ وہ خدا کی اس تقدیر کے برعکس رخ اختیار کئے ہوئے ہے اور ایسے لوگوں سے ہمیشہ جماعت کو خطرہ درپیش رہے گا۔**

یہ جو مضمون ہے یہ بہت وسیع اور بلند بھی ہے اور گہرا بھی لیکن حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے تمام مشکل مضامین کو اپنی ذات میں آسان کر کے دکھا دیا۔ وہ بڑے بڑے اعلیٰ اخلاقی مراتب جن کے متعلق درس دینے والے فلاسفر درس دیتے رہے اور دیتے رہیں گے مگر سمجھا نہ سکے اور ان چیزوں کو اخلاق میں رائج نہ کر سکے۔ آنحضرت ﷺ نے ان الجھے ہوئے مشکل مسائل کو چھوٹی چھوٹی سادہ

پیاری دل لبھانے والی باتوں کی صورت میں بیان کیا اور اپنے کردار سے ان باتوں کو ایسا سمجھایا کہ وہ اخلاق آپؐ کے دیکھنے والوں کے دل پر نقش ہوئے۔ ان کے خون میں، رگ و پے میں سرایت کر گئے اور ساری زندگیاں ان کی ذات اور ان کے کردار میں جاری وساری رہے۔ پھر انہوں نے وہی اخلاق آئندہ نسلوں میں منتقل کئے۔ یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ اس میں انقطاع بھی ہوئے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان مجددین کو بھیجا جن کے ذریعے خاص الٰہی فضل کے نتیجے میں سنت محمد مصطفیٰ ﷺ کو پھر جاری فرمایا گیا۔ یہ سلسلہ اسی طرح ٹوٹتا اور پھر جڑتا ہوا تاریخ میں آگے بڑھتا رہا یہاں تک کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ آیا جبکہ ''مسلماں را مسلماں باز کردن'' کی تقدیر پوری ہوئی کہ خدا نے مسلمانوں کو دوبارہ مسلمان بنانے کا فیصلہ فرمالیا۔ یہ اس مضمون کا اختصار سے خاکہ ہے جو میں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں اور یہی احمدیت کی سب سے بڑی صداقت کی دلیل ہے۔

جماعت احمدیہ عالم اسلام میں ایک ہی جماعت ہے جو ایک ہاتھ پر اکٹھی ہے، جماعت احمدیہ عالم اسلام میں ایک ہی جماعت ہے جو ایک سو چالیس ممالک میں پھیلی ہوئی ہونے کے باوجود پھر بھی ایک جمعیت رکھتی ہے، ایک مرکز رکھتی ہے اور دور دور پھیلے ہوئے احمدیوں کے دل بھی آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ ایک تکلیف کسی احمدی کو خواہ پاکستان میں پہنچے خواہ بنگلہ دیش میں، ہندوستان میں یا کسی اور ملک میں، اس تکلیف کی جب بھی خبر دنیا میں پھیلتی ہے جماعت احمدیہ خواہ دنیا کے کسی ملک سے تعلق رکھتی ہو یوں محسوس کرتی ہے کہ ہماری ہی تکلیف ہے اور عجیب اتفاق ہے، اتفاق تو نہیں یعنی خدا کی تقدیر کا ایک حصہ ہے کہ جیسے میں آپ کے لئے غمگین ہوتا ہوں جماعت میرے لئے غمگین ہوتی ہے کہ اس غم سے مجھے زیادہ تکلیف نہ پہنچے اور ہر ایسے موقع پر مجھ سے تعزیت کا اظہار کیا جاتا ہے اور ایسی سادگی اور بھولے پن سے، جیسے وہ اس بات پر مقرر کئے گئے ہیں کہ میری دلداری کریں۔ چنانچہ اسیران راہ مولا کے معاملے میں مسلسل ہمیشہ دنیا کے کونے کونے سے لوگ مجھ سے ہمدردی کرتے رہے، فکر کا اظہار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مائیں بچوں کے حوالے سے لکھتی رہیں کہ جب آپ ان کا ذکر کرتے ہیں اور آپ کی آنکھوں میں نمی آجاتی ہے تو ہمارے بچے بے چین ہو جاتے ہیں۔ ایک ماں نے لکھا کہ بچہ رو پڑا اس نے رومال نکالا اور دوڑا دوڑا گیا، میرا ذکر کر کے کہ ان کے آنسو پونچھوں۔ اب یہ جو واقعہ ہے یہ اللہ کے اعجاز کے سوا ممکن نہیں ہے۔ اس مادہ پرست دنیا میں کوئی ہے تو دکھائے کہاں ایسی باتیں ہیں۔ یہ حضرت

محمد مصطفی ﷺ ہی کا اعجاز ہے اور اسی آیت کے حوالے سے میں اس اعجاز کا ذکر کر رہا ہوں۔

آنحضور ؐ کو اللہ مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ تجھ میں طاقت نہیں تھی مگر مجھ میں طاقت تھی اور میں نے تیرے ذریعے یہ معجزہ دکھایا ہے خدا سے جب تیری ذات ملحق ہوگئی اور خدا نے جب تجھ میں انفاخ قدسی پھونکے تو اس کے نتیجہ میں تو وہ نعمت بن گیا جس نعمت کے ذریعے تمام بکھرے ہوئے ایک دوسرے سے کٹے ہوتے ایک دوسرے کے دشمنوں کو ایک ہاتھ پر دوبارہ باندھنے کے انتظام ہوئے اور اس مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے اگر یہ نہ ہوتا تو یہ لوگ آگ میں جھونکے جانے کے لائق تھے۔ آگ کے کنارے تک پہنچے ہوئے تھے۔ وہاں سے خدا فرماتا ہے میں نے تمہیں کھینچ کر ایک دوسرے کے باہمی مودت عطا کی، ایک دوسرے کی محبت میں باندھ دیا پس پھر بھی اگر ایسا کرو گے تو آگ کے سوا تمہارا کوئی انجام نہ ہوگا۔

اس مضمون کو جیسا کہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں خصوصیت سے اس زمانے میں بیان کرنے کی ضرورت اس لئے درپیش ہے کہ ہم کثرت کے ساتھ پھیل رہے ہیں اور آسمان پر یہ بات جو پہلے میں کہا کرتا تھا کہ لکھی گئی اب وہ ابھر کر روشن چہروں کی صورت میں سامنے آگئی ہے اور آسمان سے جن پھلوں کے وعدے دیئے گئے تھے وہ پھل ہم اپنے اوپر برستے دیکھ رہے ہیں کوئی سال ایسا نہیں گزر رہا جس میں خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ تبلیغ کی رفتار نہ بڑھ رہی ہو اور نئی نئی قومیں داخل نہ ہو رہی ہوں۔ کوئی مہینہ ایسا نہیں گزرتا جس میں نئے نئے لوگوں کے آنے کی خوشخبری نہ ملتی ہو۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جبکہ کثرت کے ساتھ لوگ اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا ذکر شکر کے ساتھ ادا کرتے ہوئے مجھے اطلاعیں نہیں بھیجتے کہ ہم نے ایسے ایسے اعجاز دیکھے ہیں کہ ہماری روح تمام تر سجدہ ریز ہو چکی ہے۔ ایسے ایسے اعجاز دیکھے ہیں کہ ان کے لطف کو بیان کرنے کی ہمارے قلم میں طاقت نہیں۔ ہم لاعلم نا تجربہ کار محض اس وجہ سے میدان تبلیغ میں نکلے کہ آپ نے کہا تھا کہ آج اللہ تم سے یہی چاہتا ہے کہ تم میدان تبلیغ میں نکل کھڑے ہو، ہم نہتے لوگ ہمارے پاس کوئی زادِ راہ نہیں تھا۔ مگر اللہ نے آوازوں میں ایسی ایسی برکتیں ڈالیں کہ جہاں سے کوئی توقع نہیں تھی وہاں سے بھی خدا کے فضل سے لبیک لبیک کہتے ہوئے لوگ جوق در جوق احمدیت میں داخل ہونے لگے۔ پس یہ جو رونما ہونے والا معجزہ ہے یہ کسی ایک جگہ کا نہیں، کسی ایک ملک کا نہیں، کل عالم میں یہی ایک عجیب کیفیت ہے جو فضا میں پیدا ہو چکی ہے اور اس کیفیت سے جماعت کے دل اس طرح نشے میں مخمور ہیں کہ تمام دنیا کی جماعت میں

جو تبلیغ کا کام کر رہے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ واقعۃً جیسے ہم مدہوش ہو چکے ہوں۔ اب انہوں نے ظاہری شراب کا مزہ تو نہیں چکھا مگر ان کی طرزِ کلام بتاتی ہے ان کی تحریر بتا رہی ہوتی ہے کہ جوان کو مزہ ہے وہ دنیا کی شراب پینے والوں کے تصور میں بھی نہیں آ سکتا۔ بعض لوگ کہتے ہیں اب ہماری زندگی میں اور کوئی مزہ نہیں رہا اور بس دل چاہتا ہے کہ ہمیشہ خدا کی راہ کی طرف لوگوں کو بلاتے رہیں اور آسمان سے گرتے ہوئے پھلوں کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھیں، اپنے سینوں سے لگائیں اپنی جھولیوں میں محفوظ کریں اور آئندہ پھر اسی کام پر روانہ ہو جائیں۔ بہت سے ایسے داعی الی اللہ سفر کرنے والے ہیں۔ میں نے روانہ ہونے کا جو لفظ بولا ہے تو ذہن میں افریقہ سے آئی ہوئی بعض اطلاعات تھیں وہاں بڑی مشکلات ہیں سفر میں اور ایک مبلغ نے لکھا کہ بعض دفعہ بخار کی حالت میں بھی آگے بڑھنا پڑا۔ بعض دفعہ بیچ میں نالے ندیاں وغیرہ آئیں اسی طرح ان سے پیدل گزرنا پڑا کبھی کبھی پانی اوپر سے گزر جاتا تھا لیکن پھر نیچے بھی ہو جاتا تھا۔ یعنی کہیں خطرات تھے کہیں انسان معمول کے پانی سے پایا۔ پانی سے گزرنا تھا۔ مگر ایک دھن سوار تھی کہ ہم نے جانا ہی جانا ہے بڑھنا ہی بڑھنا ہے کیونکہ ندی پار سے یہ اطلاع ملی تھی کہ بعض لوگوں کو دلچسپی ہے۔ یعنی اس حالت میں ہم نے سفر کئے۔ بخار بھی آئے لیکن کوئی پرواہ نہیں کی اور پھر ایسے ایسے خطرات در پیش ہوئے کہ یوں لگتا تھا کہ خیریت سے ہمارا واپس جانا ممکن نہیں ہوگا۔ مگر ہر قدم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلطان نصیر عطا ہوتے رہے، حیرت انگیز مدد آسمان سے اترتی ہم نے دیکھی۔ ان جگہوں سے پھل ملے جہاں وہم وگمان بھی نہیں تھا جن لوگوں نے انکار کر دیا کہ ہمارے پاس نہ آؤ وہیں سے وہ لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے کہا ہم ساتھ کے گاؤں سے ہیں ہمارے پاس آؤ اور وہاں گئے اور وہ اللہ کے فضل کے ساتھ سارے کا سارا گاؤں احمدیت کو قبول کر گیا۔

تو یہ جو میں روانہ ہونے کی بات کر رہا ہوں۔ داعی الی اللہ بھی ایک قسم کی ہجرت کرتے ہیں وہ اپنی آرام گاہوں سے ہجرت کرتے ہیں اور مشکل مقامات کی طرف سفر کرتے ہیں اور ہر سفر پر اللہ کے انعام کو ایسا اپنے اوپر برستا دیکھتے ہیں۔ تو پھر اگلے سفر کی ہمت وہیں سے پاتے ہیں وہیں سے آئندہ سفر کے ارادے باندھے جاتے ہیں ورنہ دنیا میں تو یہ ہوتا کہ انسان اگر سفر پر جائے اور مشکل درپیش ہو تو یہ توبہ کرتا ہوا واپس آتا ہے کہ آئندہ میری توبہ آئندہ میں یہ سفر نہیں کروں گا مگر دعوت الی اللہ کا ایک عجیب نشہ ہے کہ ہر مشکل سفر کے بعد یہ ارادے باندھتا ہوا انسان لوٹتا ہے کہ میں پھر جب

توفیق ملے گی پھر اس راہ پر آگے قدم بڑھاؤں گا۔ یہ وہ دور ہے جس میں ہم داخل ہورہے ہیں اس دور کے تقاضے یہ ہیں کہ ہم اپنی تمام اخلاقی خرابیوں کو دور کر کے اپنے اخلاق کو زینت دیں اپنے سینوں کو سجائیں کیونکہ یہ روحانی مہمان ہمارے سینوں میں بٹھائے جانے کے لائق ہیں ہم نے ان کو اپنے سینے سے لگانا ہے۔ اپنے کردار کے خانوں میں اتارنا ہے اور وہیں ان کی تربیت کرنی ہے اگر ہمارے اخلاق بد ہوئے اگر ہم ایک دوسرے سے دور ہٹنے شروع ہو گئے ہوں۔ جیسا کہ بعض دفعہ ہوا ہے۔ اگر ہم آپس میں ایک دوسرے کی محبت میں مضبوط رشتوں کے ساتھ نہیں باندھے گئے تو آنے والوں کو ہم کیسے مضبوط رشتوں میں باندھیں گے اور مضبوط رشتے کیا ہیں؟ یہ کوئی فرضی چیز نہیں ہے۔ یہ اخلاق کے رشتے ہیں۔ یہ بات ہے جو میں آنحضورﷺ کے حوالے سے جماعت کو بار بار سمجھا رہا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ ابھی اور سمجھانے کی ضرورت ہے۔ یہ کوئی فرضی مضامین کی تقریریں نہیں ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے اس حقیقت کی دنیا میں اتر کے دیکھو، محبت کے رشتے اخلاق سے باندھے جاتے ہیں اگر اخلاق نہ ہوں تو ساری باتیں فرضی ہیں۔ وہ لوگ جن کے اخلاق گھر میں سنورے ہوئے نہیں وہ لوگ جو اپنی بیویوں سے حسن سلوک سے پیش نہیں آتے وہ لوگ جو اپنے بچوں سے حسنِ سلوک سے پیش نہیں آتے وہ بیویاں جو اپنے خاوندوں سے حسن سلوک سے پیش نہیں آتیں وہ لوگ جو اپنے ہمسایوں سے اپنے رشتہ داروں سے حسن سلوک سے پیش نہیں کرتے، وہ ساسیں جو اپنی بہوؤں کو اپنی بیٹیاں نہیں سمجھتیں وہ بہوئیں جو اپنی ساسوں کو اپنی ماں نہیں سمجھتیں وہ نندیں جو اور وہ بھائی اور وہ بھابیاں وغیرہ وغیرہ یہ سارے اپنے عملی امتحان کے میدان ہیں جو ہمارے سامنے روز کھلتے ہیں روز ہم ان میدانوں میں اترتے ہیں اور نہیں سوچتے کہ کہاں کہاں ناکام رہے۔ پس دنیا کی زندگی کو عام روزمرہ کے درپیش آنے والے مسائل کی صورت میں دیکھیں تو یہ فلسفے کی اونچی اڑان کی باتیں نہیں رہتی۔ یہ روزمرہ رونما ہونے والے گھر کے اور گلیوں کے عام واقعات بن جاتے ہیں۔ آنحضرتﷺ نے اسی حوالے سے ہماری تربیتیں فرمائی ہیں۔ آنحضورﷺ نے عام انسان کی اپچ سے اس کی پہنچ سے بالا مضامین بیان نہیں فرمائے۔ باوجود اس کے وہ مضامین جو بیان فرمائے وہ دنیا کے بڑے بڑے دانشوروں کی سوچ کی اپچ سے، ان کی پہنچ سے بالا تھے آج بھی بالا ہیں۔ وہ مضامین جو آنحضورﷺ نے سادہ اور عام لفظوں میں اپنے کردار کے حوالے سے ہمیں سمجھا دیئے، آج دنیا کے بڑے بڑے

دانشور، دانشور ہونے کے باوجود ان کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے، ان کی اہمیت کو نہیں جان سکتے۔ ان کو یہ بھی نہیں پتا کہ انصاف کے قیام کے بغیر دنیا میں کوئی امن قائم نہیں ہوسکتا۔ انصاف کی بات کرتے ہیں تو یہ نہیں جانتے کہ وہ انصاف جو دوغلا معیار رکھتا ہوا پنوں کے لئے اور ہو، غیروں کے لئے اور ہو، وہ انصاف دنیا میں کوئی انقلاب برپا نہیں کرسکتا، کوئی امن دنیا کو نہیں بخش سکتا۔ اب یہ سادہ باتیں ہیں بظاہر ہر انسان کو سمجھنی چاہئیں لیکن علم ہونے کے باوجود سمجھ نہیں آتی۔ یہ فرق ہے جو میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کیسے سمجھ آتی ہیں اس کے لئے حضرت محمد مصطفی ﷺ سا عظیم کردار ہونا ضروری ہے۔ ایسا کردار جو باتیں کہے وہ خود اس کا ایسا پاک اور عظیم نمونہ بن جائے کہ ہر بات دل تک اترے اور رگ وریشہ میں سرایت کر جائے۔ یہ وہ کام تھا جو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے کر کے دکھایا اور یہی وہ پاک نمونے ہیں جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دوبارہ جاری فرمایا اور آپؑ کے صحابہؓ کی صورت میں ہم نے ان پاک نمونوں کو قادیان کی گلیوں میں اور اس سے باہر، ربوہ میں اور اس سے باہر، ہر جگہ زندہ نمونوں کے طور پر چلتے پھرتے دیکھا۔ یہ پاک نمونے ہیں جو اب اس نسل میں منتقل ہونے لازم ہیں۔ اگر اس نسل میں یہ نمونے منتقل نہ ہوئے تو دنیا کے امن کی کوئی ضمانت نہیں۔ آنے والے جو آئیں گے وہ پھر آپ سے اعلیٰ کردار نہیں سیکھیں گے بلکہ بداخلاقیاں سیکھیں گے اور ایسے لوگ جو اعلیٰ اخلاق پر فائز نہیں ہوتے وہ دو طرح سے خطرات کے حامل ہوتے ہیں۔ ایک آنے والوں کے لئے وہ خطرہ بن جاتے ہیں دوسرے آنے والے ان کے لئے خطرہ بن جاتے ہیں۔ یعنی جو بداخلاق لوگ ہیں وہ آنے والوں کی بدخلقیاں سیکھتے ہیں اور ان کی بدیوں کی پیروی کرنے سے لذت پاتے ہیں۔ پس دونوں صورتوں میں لازم ہے کہ آپ سنت محمد مصطفی ﷺ کو ان آسان راہوں سے پائیں جن آسان راہوں سے میں آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں۔

آنحضورؐ کے اخلاق پر غور کریں، کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اسے اختیار کرو۔ آپ سنتے ہیں اور دل اچھلتا ہے اور اسے اپنانے کے لئے طبیعت بے قرار ہوتی ہے اور فطرت سے جس طرح ماں کے دودھ کے لئے بچہ اچھلتا ہے اور اس کے نتیجے میں ماؤں کا دودھ چھاتیوں میں آ جاتا ہے اس طرح آنحضرت ﷺ سے فیض پانے کے لئے آپ کی فطرت پکارنے لگتی ہے اور آنحضورؐ کے فیض کا دودھ آپ کی فطرت میں جاری ہونے لگتا ہے۔ یہ وہ

آسان طریق ہے جس پر چل کر ایک عظیم انقلاب برپا کیا جا سکتا ہے۔ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ سے صحابہ نے جو باتیں سیکھیں یا باتیں پوچھیں، چھوٹی چھوٹی سادہ سادہ آسان باتیں ہیں۔ مگر ان سے اس لحاظ سے سرسری طور پر گزر نہ جایا کریں کہ یہ تو عام سی بات ہے یہ تو ہمیں بھی پتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بظاہر آپ کو پتا ہے لیکن حضور اکرم ﷺ کا بیان اس سے گہرا ہے جتنا آپ سمجھتے ہیں۔ ٹھہر ٹھہر کر پیار اور محبت سے ان کو دیکھتے ہوئے، ان سے لطف اندوز ہوتے ہوئے، ان مضامین پر سے گزرا کریں تو پھر آپ کو حقیقت میں اپنی اعلیٰ اخلاقی تربیت کی توفیق عطا ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور ﷺ کے پاس آیا اور کہا یارسول اللہ ﷺ آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرمائیں گے جو کچھ لوگوں سے محبت رکھتا ہے لیکن ان سے عملی لحاظ سے نہیں ملا حضور ﷺ نے فرمایا۔ آدمی اس کے ساتھ ہوتا ہے جس سے اس کو محبت ہوتی ہے (صحیح بخاری کتاب الادب حدیث: 5704)۔ اب یہ بات تو سن لی کہ ''اس کے ساتھ ہوتا ہے''۔ اس کا کیا مطلب بنا؟ بعض لکھنے والے یہ لکھتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ جس سے محبت ہے قیامت کے دن اس کے ساتھ ہی اٹھایا جائے گا لیکن یہ مضمون جو ہے وہ اس سے بہت زیادہ گہرا ہے اور بہت زیادہ پھیلا ہوا ہے۔ اس کا ایک حوالہ قرآن میں ہے، ایک حوالہ تاریخ اسلام میں ہے، ایک حوالہ آنحضرت ﷺ کے قول اور فعل کے یکساں ہونے میں ہے۔ ان تینوں پہلوؤں سے میں آپ کو سمجھاتا ہوں کہ اس حدیث سے آپ کو کیا پیغام ملنا چاہئے۔

سب سے پہلے تو قرآن کریم میں اس کا حوالہ یہ ہے وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الجمعہ: 4) کہ وہ آخرین بھی ہیں جو ابھی صحابہ سے نہیں مل سکے لیکن ہیں انہیں میں سے وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اور اللہ اس بات پر قادر ہے اور اس بات کی طاقت رکھتا ہے اور حکمت رکھتا ہے کہ جب چاہے ایسا کر دکھائے۔ آنحضرت ﷺ کی زندگی کے مطالعہ میں بارہا یہ بات سامنے آئی ہے کہ بعض دفعہ ایک ایسے شخص کا ذکر کیا جاتا ہے جس کا کوئی نام نہیں بتایا جاتا اور یوں معلوم ہوتا ہے وہ شخص اجنبی تھا جو اس محفل میں اچانک کہیں سے آیا ہے۔ بعض دفعہ جب اس شخص کے متعلق تحقیقات کی جاتی ہے اور حدیثیں بتاتی ہیں کہ پھر کیا نتیجہ نکلا تو معلوم ہوتا ہے وہ جبرائیل علیہ السلام تھے جو انسانی شکل میں متمثل ہو کر آنحضورؐ سے سوال کیا کرتے تھے تا کہ اس جواب سے جو آپ دیں، صحابہ کی تربیت ہو سکے، پس اس حدیث کا بھی ویسا ہی رنگ ہے۔ حضرت

عبداللہؓ بن مسعود کہتے ہیں ایک شخص آیا وہ مدینے کی سوسائٹی کا نہیں تھا، انجانا انسان تھا۔ ورنہ صحابہ ہر جگہ یہ کہتے ہیں فلاں شخص آیا اس نے یہ سوال کیا۔ وہ ایسا شخص ہے جس کو کوئی پہچانتا نہیں تھا وہ آیا ہے اور آتے ہی اس نے یہ سوال کیا یا رسول اللہؐ! اس شخص کے متعلق آپؐ کیا فرماتے ہیں جو ایسی قوم سے محبت رکھتا ہے جو ان سے نہیں ملی۔ اس میں ایک پیغام یہ ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو بہت سے صحابہ کے دل میں آپ سے ملنے کی تمنا پیدا ہوئی۔ یعنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں وہ آخرین جن کا قرآن کریم میں ذکر ملتا ہے کہ وہ ابھی صحابہ سے نہیں ملے اس زمانے میں ان سے ملنے کی تمنا لازماً پیدا ہوئی ہے جس تمنا کا ذکر اس سوال میں کیا گیا ہے کہ یا رسول اللہؐ! ان لوگوں کا کیا حال ہے جو ان سے ملنا چاہتے ہیں ان سے محبت رکھتے ہیں جو ابھی نہیں ملے۔

پس تاریخ نے جو اوّلین کی ہو یا آخرین کی ہو قرآن کے حوالے سے ہمیں اس طرح باندھ دیا ہے کہ ہم الگ وجود نہیں رہے اور یہ خیال کر لینا کہ چودہ سو سال پہلے یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وقت کے حوالے سے کہیں گے کہ تیرہ سو سال پہلے، صحابہ کے دل میں محمد مصطفی ﷺ کی محبت کے نتیجے میں ان سے بھی محبت پیدا ہوئی جن میں گویا محمد رسول اللہؐ نے دوبارہ ورود فرمانا تھا اور ان کا ذکر غائبانہ سنا تو دل میں یہ امنگیں بیدار ہونے لگیں، کروٹیں بدلنے لگیں کہ ہم دیکھیں تو سہی کہ وہ کون لوگ ہیں۔ کاش ہم دیکھ سکتے۔ یہ ویسا ہی مضمون ہے جیسے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی محبت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام بے چین ہو کر بعض دفعہ مسجد میں حضرت حسان بن ثابتؓ کا یہ شعر پڑھتے تھے کہ:

كُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِیْ فَعَمِیَ عَلَیَّ النَّاظِرُ
مَنْ شَاءَ بَعْدَکَ فَلْیَمُتْ فَعَلَیْکَ کُنْتُ اُحَاذِرُ

پس یہ دوطرفہ محبت تھی۔ اس شعر کا مطلب یہ ہے، حضرت حسانؓ نے حضرت رسول اکرم ﷺ کے متعلق یہ عرض کیا کہ اے میرے آقاؐ۔ اے میرے محبوبؐ! میری آنکھ کی پتلی تو تو تھا جس کے ذریعے میں دیکھا کرتا تھا۔ آج تو نہیں رہا تو میری آنکھ کی پتلی اندھی ہوگئی۔ مجھے دنیا دکھائی نہیں دیتی۔ ’’مَنْ شَاءَ بَعْدَکَ فَلْیَمُتْ ‘‘ اب تیرے بعد جو چاہے مرتا پھرے، مجھے کوئی پرواہ نہیں، مجھے تو تیری موت کا غم تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آپ سے ایسا عشق تھا کہ ایک دفعہ مسجد میں یہ شعر پڑھتے جاتے تھے اور زار زار روتے چلے جا رہے تھے۔ ایک صحابی نے عرض کیا حضرت مسیح موعودؑ کو مخاطب کر

کے کہ اے آقا کیا بات ہے۔ یہ شعر پڑھ رہے ہیں اور اتنا رو کیوں رہے ہیں۔ انہوں نے کہا اتنا پیارا شعر حسان نے کہا ہے کہ میرے دل میں حسرت اٹھ رہی ہے کاش میں نے یہ شعر کہا ہوتا۔ یہ عشق ہے جو دوطرفہ عشق ہے اور قرآن اور احادیث گواہ ہیں کہ جس طرح آخرین کو اولین سے محبت ہوئی اسی طرح اولین کو بھی آخرین سے محبت ہوگئی تھی اور آنحضرتﷺ نے فرمایا وہ اکٹھے ہوں گے کیونکہ جن کو جن سے محبت ہوتی ہے ان کو جدا نہیں رکھا جائے گا۔ پس مرتبوں میں بھی وہ اکٹھے کئے گئے۔ آئندہ کی دنیا میں بھی اکٹھے کئے جائیں گے۔ یہ مضمون ہے جو یہ حدیث بیان فرما رہی ہے۔

پھر فرمایا ''المرء مع من احب '' یہاں تاریخ کے حوالے سے صحابہؓ کے دور کے حوالے سے ایک اور واقعہ ہے جو قابلِ غور ہے۔ آنحضرتﷺ کے زمانے میں ایک ایسے انسان بھی تھے جن کو آنحضورﷺ سے گہرا عشق تھا۔ مگر ان کی والدہ کی حالت ایسی تھی کہ انہیں چھوڑ کر حضور کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتے تھے۔ حضرت اویس قرنیؓ نے رسول اللہﷺ کا زمانہ پایا۔ لیکن عملاً وہی حال تھا کہ ''لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ '' ملنے کی تمنا رکھتے رہے مگر مل نہ سکے۔ آنحضرتؐ کو اللہ نے خبر دی کہ ایک تیرا عاشق ہے دور دراز علاقوں میں رہنے والا، وہ بے انتہا تجھ سے ملنے کی تمنا رکھتا ہے مگر ماں کی خدمت کی وجہ سے اللہ کے اس فرمان کے نتیجے میں کہ ماں کی خدمت اہمیت رکھتی ہے، وہ تیرے پاس حاضر نہیں ہوسکتا۔ آنحضورﷺ نے اویس قرنی کو سلام بھیجا اور تاریخ اسلام سے ثابت ہے کہ دو ہی وجود ہیں جنہیں آنحضورﷺ نے سلام بھیجا ہے یعنی باہر دور رہنے والے جن سے ملاقات نہ ہوسکی۔ ایک اویس قرنیؓ اور ایک امام مہدی۔ پس اس طرح تاریخ میں رشتے ملتے ہیں۔ اولین کے آخرین سے اس طرح تعلق باندھے جاتے ہیں یہ کوئی فرضی افسانوی مضمون نہیں ہے یہ گہری حقیقتیں ہیں۔ پس ایک وہ قرنی تھا جس نے زمانہ پایا اور پھر بھی مل نہ سکا۔ ایک وہ تھا جو قادیان میں پیدا ہوا جس نے ایسا عشق کیا کہ اس کی کوئی مثال امت محمدیہ میں دکھائی نہیں دیتی۔ اس کے دل پر بھی اللہ سے علم پا کر حضرت محمد رسول اللہﷺ کی نظر پڑی اور فرمایا کہ اگر تمہیں برف کے تودوں پر سے گھٹنوں کے بل چل کر بھی وہاں پہنچنا پڑے تو مہدی تک پہنچنا اور میرا اسلام کہنا۔ یہ عجیب واقعہ ہے، ایک عظیم واقعہ ہے، لیکن اولین کو آخرین سے ملانے والی بات ہے اس مضمون کو سمجھنا ضروری ہے۔

اور تیسرا سبق اس حدیث میں یہ ملتا ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا: ''المرء مع من احب '' اس کا

مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ مرتبے میں اکٹھے کئے جائیں گے۔جس سے محبت ہے تم ضرور اس سے اکٹھے کئے جاؤ گے اگر کسی سے محبت ہو اور آپ اس کے لائق نہ ہوں تو اس کے ساتھ اکٹھے نہیں کئے جا سکتے۔اکٹھے کئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ جس سے محبت ہو انسان لازماً ویسا بننے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی محبت کی صداقت اس کی اس کوشش میں مضمر ہے کہ وہ ویسا بن سکے،اور جو ایسا کرے گا جو ویسا بننے کی کوشش کرے گا اس کو ملایا جائے گا اور اس کو مرتبوں میں بھی ملایا جائے گا،اس کو قیامت کے دن بھی اکٹھا کیا جائے گا۔

پس آج آپ نے اگر وہی بننا ہے جن کا آخرین کے حوالے سے قرآن میں ذکر موجود ہے اگر آپ نے وہی بننا ہے جن کا اس حدیث میں ذکر ہے کہ ایک شخص آنحضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! وہ لوگ جو نہیں ملے کسی سے اور ابھی دور ہیں ان سے اگر کسی کو محبت ہو جائے،اَن دیکھوں سے،تو اس کے متعلق کیا ارشاد ہے۔فرمایا جس سے محبت ہو وہ ملایا جاتا ہے۔اس کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ لازماً خواہ کیسا ہی ہو ملا دیا جائے گا۔ سچی محبت کی بات ہو رہی ہے اور سچی محبت میں ملنے کا ایک طریقہ ہم صورت ہونا ہے،ہم شکل ہونا ہے یعنی مزاج اور اخلاق میں ایک جیسا ہونا۔پس فرمایا کہ اگر واقعۃً محبت ہے تو ان دونوں کے مزاج پھر ملنے شروع ہو جائیں گے۔ اگر آخرین کو اولین سے محبت ہے تو وہ اولین کی نقل اتاریں گے ویسا بننے کی کوشش کریں گے۔پس جماعت احمدیہ کے لئے جہاں اس میں بڑی خوش خبریاں ہیں وہاں ذمہ داریاں بھی بہت ہیں اور ہم میں سے ہر ایک کو ہمیشہ آئینہ اپنے پیش نظر رکھنا چاہئے۔ جب کہا جاتا ہے کہ مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے (ابوداؤد کتاب الادب حدیث: 4272) تو عملاً سب سے بڑا آئینہ تو محمد رسول اللہؐ ہیں۔ محمد رسول ﷺ کی ذات،آپؐ کے اخلاق حسنہ کو اپنے پیش نظر رکھیں تو اپنا چہرہ داغ داغ دکھائی دے گا۔آئینے میں کوئی دوسرا وجود دکھائی نہیں دیا کرتا۔محمد رسول اللہ کے آئینے میں دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس آئینے کے حوالے سے اپنی خرابیاں سامنے آئیں گی اور جہاں کہیں ویسا حسن ملے گا اسے اور زیادہ نکھارنے کی تمنا پیدا ہوگی۔پس یہ وہ طریق ہے جس کے ذریعے سے ہم اپنے اخلاق کو اخلاق حسنہ میں تبدیل کر سکتے ہیں اور اخلاق حسنہ کو ترقی دے کر مکارم الاخلاق میں تبدیل کر سکتے ہیں یعنی وہ اخلاق جن پر حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کا قدم تھا۔

یہ دوسری حدیث صحیح بخاری کتاب الایمان سے لی گئی ہے۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا تین باتیں ہیں جس میں وہ ہوں وہ ایمان کی حلاوت اور مٹھاس کو محسوس کرے گا۔ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ باقی تمام چیزوں سے اسے زیادہ محبوب ہو۔ دوسرا یہ کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی سے محبت کرے اور تیسرا یہ کہ وہ اللہ کی مدد سے کفر سے نکل آنے کے بعد پھر کفر میں لوٹ جانے کو اتنا ناپسند کرے جتنا کہ وہ آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔ (بخاری کتاب الایمان باب حلاوۃ الایمان۔ حدیث: 15)

یہ وہی آگ ہے جن کا میں نے پہلے اس آیت کریمہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے جو میں نے تلاوت کی ہے۔ اس آگ میں ڈالا جانا دراصل آپس میں ایک دوسرے کا دشمن ہونا، ایک دوسرے سے دلوں کا پھٹ جانا ہے اور اگر ایسا ہو تو آگ کے سوا اور کوئی انجام نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے اس ذکر سے پہلے آپس کی محبت کا ذکر فرمایا ہے۔ پس جو تفسیر میں اس آیت کی کر رہا تھا حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی آسمانی تفسیر اسی کی تائید فرما رہی ہے اور اس کی تائید میں ان دو تین باتوں کو ملا کر ایک گہرا فلسفہ بیان فرما رہی ہے۔ تین نصیحتیں فرمائیں۔ ایمان کی حلاوت وہی محسوس کرے گا جس کے نزدیک اللہ اور اس کا رسول باقی سب رشتوں سے زیادہ پیارے ہوں۔ رشتوں کے تعلق میں یہ وہ نئے رشتے ہیں جو روحانی زندگی میں ایک امام کے ساتھ منسلک ہونے کے نتیجے میں نئے وجود میں آتے ہیں۔ انہی رشتوں کو ہم خَلْقًا اٰخَرَ (المومنون: 15) کہہ سکتے ہیں۔ قرآن کریم نے نئی روحانی زندگی کا نام خَلْقًا اٰخَرَ رکھا ہے۔ خلق اول کیا ہے؟ وہ عام روزمرہ کے رشتے جن میں ماں کو بیٹے سے محبت ہوتی ہے، بیٹے کو ماں سے، باپ کو بچوں سے، بچوں کو باپ سے وغیرہ وغیرہ۔ بہن بھائیوں کے تعلقات ہیں، یہ سارے وہ طبعی رشتے ہیں جن کو خلق اول کے رشتے کہا جاتا ہے۔

جب انسان حقیقت میں مومن بن جاتا ہے تو اسے ایک ''خلق آخر'' عطا ہوتی ہے قرآن کریم کے رو سے یہی اصطلاح ہے جو اس پر صادق آتی ہے۔ ایک نیا جنم لیتا ہے، ایک نئے وجود کو اختیار کر لیتا ہے۔ اس وجود کے بھی کچھ محبت کے قوانین ہیں اور وہ قوانین یہ ہیں کہ اللہ اور رسولؐ کی محبت ہر دوسری محبت پر غالب آجائے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی محبت کے مقابل پر جب بھی دنیا کی کوئی محبت ٹکرائے، اس کے سامنے کھڑی ہو، تو اس محبت کو جو دنیا کی محبت ہے، انسان ٹھکرا دے اور اللہ کی

محبت کو اختیار کرلے اور رسول کی محبت کا بھی یہی حال ہو کیونکہ وہ محبت بھی اللہ کے حوالے سے ہے اور یہی سلسلہ آگے چلتا ہے۔ للّٰہی محبت کا پھر یہی مطلب بن جاتا ہے کہ اگر کسی وجود سے اللہ کی خاطر پیار ہے تو اس کے مقابل پر دنیوی تعلق کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی ،اس محبت کو لازمًا اختیار کیا جاتا ہے۔

آنحضورؐ فرماتے ہیں ’’دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی سے محبت کرے‘‘ تو دراصل پہلی بات ہی کا منطقی نتیجہ ہے جو آگے بڑھایا جارہا ہے اللہ کی محبت سب محبتوں پر فوقیت رکھے اور اسی محبت کے نتیجے میں رسولؐ کی محبت ہر دوسری محبت پر فوقیت اختیار کرجائے اور پھر اسی حوالے سے اگلا قدم یہ ہو کہ سارے معاشرے میں ایک دوسرے سے تم اللہ کی خاطر محبت کرنے لگو اور جب اللہ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرو تو یہ محبت ہر دوسری محبت پر غالب آجائے۔

اس کے بعد فرمایا ہے جو شخص کفر سے نکل آنے کے بعد دوبارہ اس میں جانے کو یہ سمجھے کہ گویا مجھے آگ کے گڑھے میں دھکیلا جارہا ہے وہی ہے جو ایمان کی لذت کو پاتا ہے، پس ایمان کی تعریف وہ ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ کفر کی تعریف یہ ہے کہ جوان تعلقات سے پرے ہٹ جاتا ہے اور یہی مضمون ہے جو اس آیت کریمہ میں بیان ہوا ہے جو میں نے آپ کے سامنے رکھی تھی کہ تم تو آگ کے کنارے پر کھڑے تھے۔ ہم نے تمہیں بچایا آپس کی محبت میں باندھ کر، ایک دل بنا کر، ایک جان کرنے کے بعد دوبارہ اس کا تصور بھی نہ کرنا کہ پھر تم ایک دوسرے سے لڑ پڑو۔

اب آپ سوچئے کہ روزمرہ کی زندگی میں کتنے ہیں جو بات بات پر بھڑکتے ہیں۔ بات بات پر اپنے بھائی کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کتنے ہیں جو اپنے قریبی رشتوں کے باوجود ان کا حق بھی ادا نہیں کرسکتے کجا یہ کہ وہ روحانی رشتوں کے حق ادا کریں۔ پس درستی پہلی منزل پر نہیں بلکہ بنیاد میں ہوگی۔ بنیادیں اگر درست نہیں تو پہلی منزل بھی درست تعمیر نہیں ہوسکتی اور اخلاق کی بنیاد روزمرہ کے خونی رشتوں میں ہے، وہ اخلاق درست ہوں تو پھر خلق آخر کی تعمیر شروع ہوتی ہے جو بعد کی آنے والی منازل ہیں کہ بالآخر اللہ کا ساتھی بنادیتی ہیں، اللہ کا دوست بنادیتی ہیں۔ وہاں تک پہنچاتی ہیں جہاں خدا کی محبت کے بعد اور کوئی محبت قابلِ ذکر باقی نہیں رہتی۔

پس یہ کہہ دینا تو آسان ہے کہ ہم اللہ کی خاطر کسی سے محبت کرتے ہیں لیکن اگر دنیا کی خاطر بھی محبت نہیں کرسکتے تو اللہ کی خاطر کیسے کریں گے۔ اگر بھائی بہنوں کا حق ادا نہیں کررہے، ماں باپ

مرتے ہیں تو بہنوں کے حق مار کر بیٹھ جاتے ہیں۔ وراثت میں ان کو شریک کرنے کی ہمت نہیں پاتے۔ اگر قریبی رشتہ دار ایک دوسرے سے بڑھ کر حق ادا کرنے کی بجائے ان کے اپنے حق چھیننے میں کوشاں رہتے ہیں۔ اگر ایک آدمی دوسرے شریک کے مال پر نظر رکھتا ہے۔ جب تک آمد نیں زیادہ ہوتی رہیں خاموشی کے ساتھ گزارے چلتے رہیں۔ جہاں ابتلا آیا جہاں نقصان کا خطرہ ہوا وہاں شریک نے کوشش کی کہ جتنا سمیٹ سکتا ہوں میں سمیٹ لوں اور اس سے الگ ہو جاؤں۔ جہاں یہ حالات دکھائی دیں وہاں اللہ کی محبت کی باتیں کرنے کا حق ہی کوئی نہیں۔ یہ بہت دور کی باتیں ہیں۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے زمین پر چلنا نہیں آیا اور آسمان پر چھلانگیں لگانے کے خواب دیکھ رہے ہوں۔ پس یہ وہ روزمرہ کی سادہ باتیں ہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اپنے عمل سے سکھائی ہیں۔ ایسے عظیم کردار کا نمونہ دکھایا ہے جو زمین کے ساتھ بھی جڑا ہوا تھا لیکن آسمان سے بھی باتیں کر رہا تھا فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ (النجم:10) آپ بلند ہوئے تو خدا تک جا پہنچے۔ اتنا قریب ہوئے کہ اس سے پہلے کبھی کسی مخلوق کو یہ توفیق نہ ملی تھی نہ آئندہ کبھی ملے گی لیکن دنیا پر پھر جھک آئے اور اس طرح بنی نوع انسان اور خدا کے درمیان وسیلہ بن گئے جس کا قرآن کریم میں ذکر ملتا ہے۔ پس بلندی کی باتیں تو ہوں گی لیکن پہلے زمین کے تقاضے تو پورے کرلو۔ روزمرہ کے اخلاق درست کئے بغیر تم اس بات کا حق نہیں رکھتے کہ خلق آخر کی باتیں کرو اور تم ابھی خلق آخر کے میدان میں داخل کئے جا چکے ہو کیونکہ وہ عظیم الشان قومیں جو بڑے ولولوں کے ساتھ بڑی امیدیں لئے تمہاری طرف بڑھ رہی ہیں تمہارے دامن میں پناہ چاہتی ہیں۔ جن کو دنیا میں اور کہیں امن نصیب نہیں ہوا لیکن جانتی ہیں کہ اگر امن ہے تو مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے پیغام میں ہے اور آپ کے دامن میں پناہ لینے سے امن ملتا ہے وہ آپ کی طرف دوڑی چلی آرہی ہیں۔ پس آپ فکر کریں اور گھبرا کر اپنے گردوپیش کا جائزہ لیں اور جاگنے کی کوشش کریں۔ بڑی مصیبت یہ ہے کہ لوگ جاگتے نہیں ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے بھی اس مضمون کو بار بار فرمایا ہے اور بچپن میں بھی اس کا کچھ لطف آتا تھا مگر اب جوں جوں تجربہ بڑھ رہا ہے میں اس کی حقیقت کو سمجھتا جا رہا ہوں اور جانتا ہوں کہ آپ کا یہ کلام محض لطف کی بات نہیں ہے بلکہ آپ کی گہری پریشانی اور لمبے تجربہ کا مظہر ہے۔

ع وہ نہیں جاگتے سو بار جگایا ہم نے (درثمین صفحہ:16)

اس قدر بے چین کرنے والا فقرہ ہے اس قدر مسیح موعود کو بے قراری لگی ہوئی تھی کہ میں کس طرح جھنجھوڑوں اور طبیعتوں کو بیدار کروں اور بتاؤں کہ تم آج بھی سوئے پڑے ہو، کیوں نہیں اٹھتے؟ کیوں میری باتیں نہیں سنتے؟ آج وہ وقت آ گیا ہے کہ جھنجھوڑ کر جماعت کو بیدار کیا جائے اور بتایا جائے کہ دیکھو اٹھو اپنے نفس کا خیال کرو، اپنے نگران بنو، اگر تم اپنے نگران نہ بنے تو کوئی باہر کی آواز تم نہیں سن سکو گے۔ اندر سے ایک مربی بیدار ہونا ضروری ہے اندر سے ایک نگران کا جاگ اٹھنا ضروری ہے۔ جب یہ نگران جاگ اٹھتا ہے تو اپنی ہوش نہیں رہتی کجا یہ کہ انسان دوسروں میں کیڑے ڈالتا رہے۔ جب یہ نگران بیدار ہو جائے تو انکساری پیدا کرتا ہے۔ انسان بے چین ہو جاتا ہے دوسروں کی بدیوں کی بجائے ان کی خوبیوں پر نظر رکھ کر ان سے موازنہ کرتا ہے اور کہتا ہے مجھ سے وہ بھی اچھا ہے، مجھ سے وہ بھی اچھا ہے۔ یعنی جس بدبخت کا نگران سویا ہوا ہو وہ ہر دوسرے پر عیب جوئی کی نظر ڈالتا ہے اور دوسروں کے عیب تلاش کر کے ان کے پیچھے اپنی برائیاں چھپاتا رہتا ہے اس کو اسی میں ہی لطف آتا ہے کہ فلاں میں بھی یہ بدی ہے اور فلاں میں بھی یہ برائی ہے، فلاں میں یہ خرابی ہے اور میں ان سے اچھا ہوں حالانکہ بسا اوقات اس میں بھی جھوٹ ہوتا ہے۔ جو برائیاں وہ دوسروں میں پیش کر رہا ہوتا ہے اس سے کہیں زیادہ اس کے اندر موجود ہوتی ہیں۔

پس اخلاق حسنہ کے پیدا کرنے سے پہلے ایک اندرونی مربی کا بیدار ہونا لازم ہے اس کے بغیر آپ کو کبھی اخلاق نصیب نہیں ہو سکتے اور سب سے اچھا سکھانے والا وہی ہے جو دل کے اندر پیدا ہوتا ہے اور دل سے جاگ اٹھتا ہے اور وہ آواز ہے جو آپ قریب سے سنتے ہیں۔ اس آواز کو اگر آپ جھٹلائیں اور اس کا انکار کریں تو ممکن ہے کہ کریں، مگر دن بدن بے چینی بڑھتی رہے گی دن بدن اور زیادہ پشیمان ہوتے چلے جائیں گے یہاں تک کہ خدا کے حضور روئیں گے کہ اے خدا! میری کیا حالت ہے۔ میں بدی کو جانتا ہوں، پہچانتا ہوں، پھر بھی کرتا ہوں۔ اور تیرے حضور میں مسلسل اس سفر میں زندگی گزار رہا ہوں کہ جانتے ہوئے کہ میرا قدم غلط سمتوں میں اٹھ رہا ہے پھر بھی وہ قدم اٹھا رہا ہوں۔ یہ مربی بیدار ہونے کے بعد کی باتیں ہیں اس سے پہلے کی نہیں ہیں۔ پھر وہ نفس کی پکار، وہ بے چینیاں، وہ بے قراریاں، وہ شرمندگیاں، خدا کے حضور جب آنسو بہاتی ہیں پھر تربیت کے سامان ہوتے ہیں۔ مگر بد اخلاق انسان کو تو ان مضامین کا کوئی تصور بھی نہیں کہ یہ کیا چیزیں ہیں۔ نہ کبھی یہ

ہجرتیں کیں، نہ یہ کبھی سفر اختیار کئے۔ اس لئے میں آپ کو بار بار ایک ہی بات کہتا چلا جا رہا ہوں۔ اس لئے نہیں کہ گویا میں بھول گیا ہوں کہ میں نے کل بھی آپ کو یہی بات کہی تھی یا پرسوں بھی یہی بات کہی تھی۔ میں اپنے لمبے تجربے سے اس بات پر گواہ بن گیا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بے قراری کو آج پھر ہمارے ہر دل کو بے چین کر دینا چاہئے اس بے قراری کو ہمیں اپنا لینا چاہئے، یہ مطلب ہے میرا اور ہمارے ہر دل کو لگ جانی چاہئے۔ اس سے ہمارے اندر تربیت کے امکانات روشن ہوں گے اور اس کے نتیجے میں ہمارے اندر کا سویا ہوا نفس بیدار ہوگا۔ اب آپ یہ خطبہ سنتے ہیں یا پہلے بھی سنتے رہے ہیں۔ اب گھروں میں جا کر وہی زندگی گزاریں جو پہلے تھی اور روزمرہ کی زندگی کو بیدار مغزی کے ساتھ دیکھیں نہ کہ ہم اپنے اندر کوئی پاک تبدیلی پیدا کر رہے ہیں کہ نہیں، تو یہ ساری باتیں بے کار جائیں گی اور پھر مجھے دوبارہ وہی کہنا پڑے گا کہ:

ع وہ نہیں جاگتے سو بار جگایا ہم نے (درثمین صفحہ:16)

پس اخلاق حسنہ کی حفاظت کے لئے اپنے اندر ایک Consciousness ایک بیداری کا احساس پیدا کریں اور روزمرہ کے تعلقات سے یہ جائزہ لینا شروع کریں۔ اس کے لئے کوئی رپورٹ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ کسی بیرونی مبلغ یا مربی کا آپ کے پاس آ کر آپ کے سوال و جواب کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کا اپنا دل ہے۔ آپ کو پتا ہے کہ آپ روزمرہ کی زندگی میں اپنے بھائیوں کے کتنے حق مارتے رہے ہیں اپنے عزیزوں کے کتنے حقوق ادا کرتے رہے ہیں یا ان سے غافل رہے ہیں یا چھوٹی سی بات پر غصے کے نتیجے میں آپ اپنی بیویوں پہ کس کس طریق سے بھڑکتے رہے ہیں یا کمزوروں پر ہاتھ اٹھانے میں جلدی کرتے رہے ہیں یا اپنے سے کمزور بھائی یا بہن پر تمسخر کرتے رہے ہیں اور اسے اپنے سے حقیر جانتے رہے ہیں۔ یہ سارے امور ایسے ہیں جو روزمرہ کی زندگی میں کسی باہر سے آئے ہوئے مربی کے سمجھائے بغیر ہر انسان جانتا ہے، جان سکتا ہے۔ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ﴿۱۵﴾ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ ﴿۱۶﴾ (القیامۃ: 15,16) ہر انسان اپنے نفس کو خوب اچھی طرح جاننے کی صلاحیت رکھتا ہے خواہ ہزار عذر پیش کرتا رہے۔ پس اپنے اخلاق حسنہ کو روزمرہ کی زندگی میں سنواریں اور آنحضور ﷺ کے اخلاق کے جتنے حوالے میں نے دیئے ہیں انہیں پھر غور سے سنیں اور اپنے حالات پر ان کو چسپاں کر کے دیکھیں کہ کس حد تک آپ کو آنحضرت ﷺ سے محبت

ہے اور اس حوالے کے بغیر آپ کو حقیقت میں اس کی اہمیت سمجھ نہیں آئے گی۔آنحضورؐ فرماتے ہیں تم اسی کے ساتھ ہو گے جس سے محبت ہے اور جس سے محبت ہے ویسا بننا ہوگا۔

پس اگر آپ نے دیکھنا ہے کہ آپ آنحضورؐ کے ساتھ اٹھائے جائیں گے کہ نہیں آپ ان لوگوں میں شمار ہوں گے کہ نہیں جن کے متعلق فرمایا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ محمد رسول اللہ ﷺ اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں جن کو اللہ نے فرمایا کہ ان کے ساتھ ہیں۔تو پھر آپ اس محبت کی پہچان اس طرح کر سکتے ہیں اور اس کے سوا نہیں کر سکتے کہ کس حد تک آنحضورؐ کے اخلاق سے آپ کو محبت ہوگئی ہے۔کسی شخص سے محبت کے ناک سے نفرت، اس کی آنکھوں سے نفرت، اس کی بھنوؤں سے نفرت، اس کے ہونٹوں سے نفرت، اس کے کلوں، اس کے جسم، اس کی کمر، اس کی ٹانگوں سے نفرت، یہ کیسے ممکن ہے؟ پس ایک ایک عضو میں آپ کے پاس اپنی محبت کی صداقت کی پہچان موجود ہے۔آنحضورؐ کی جس سیرت سے آپ دور ہیں اس سیرت سے آپ محبت نہیں کرتے اور اگر اس سیرت کے مضمون کو ساری زندگی پر پھیلا دیں اور کہیں بھی آپ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم سے مماثلت دکھائی نہ دے تو پھر یہ دعویٰ کرنے کا آپ کو کیا حق ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم سے بڑی محبت کرتے ہیں بڑے درود بھیجتے ہیں۔یہ جھوٹے فرضی قصے ہیں۔محبت تو ایسی چیز نہیں جو پہچانی نہ جاسکے یہ تو زندگی میں روزمرہ کے کردار بن کر جاری ہو جاتی ہے۔پس آنحضور ﷺ کے اخلاق آپ کی محبت کے حوالے سے سیکھیں۔

آنحضور ﷺ نے فرمایا۔حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا کہ کہاں ہیں وہ لوگ جو میرے جلال کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔آج میں انہیں اپنے سائے میں جگہ دوں گا اور آج میرے سائے کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں۔(مسند احمد بن حنبل الجز 2۔صفحہ 237)

اب آپ نے دیکھا کہ یہاں ایک لفظ کے فرق نے مضمون کو کتنا بدل دیا ہے۔یہاں جمال کی خاطر محبت نہیں بلکہ جلال کی خاطر محبت ہے۔جو اس وجہ سے محبت کرتے ہیں کہ اگر ہم نے اپنے بھائی سے محبت نہیں کی اور اس کے حق ادا نہیں کئے تو خدا کا جلال مجھے بھسم کر دے گا۔یعنی صرف اللہ کی محبت کی خاطر محبت نہیں کرتے، بلکہ اللہ کی ناراضگی کے خوف سے بھی محبت کرتے ہیں۔اور بہت سے ایسے مواقع ہیں جہاں جمال سے زیادہ جلال ہے جو آپ کو سیدھے رستے پر ڈالا کرتا ہے۔تو اللہ تعالیٰ

قیامت کے دن فرمائے گا وہ کہاں ہیں جو میرے جلال کی خاطر محبت کرتے تھے۔ جمال کی خاطر محبت کرنے میں ہم آہنگی کا مضمون پایا جاتا ہے۔ عام طور پر جمال کی خاطر ایک دوسرے سے ملتے جلتے لوگ، ہم صفات لوگ، ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں مگر جلال کی خاطر محبت کا مضمون الگ ہے۔ جہاں آپ کے مزاج نہیں بھی ملتے، جہاں طبعاً آپ کو الگ الگ ہونا چاہئے، محض اللہ کے خوف سے، اس کے جلال کے ڈر سے آپ اگر اپنے ایسے بھائی سے پیار کرتے ہیں جس سے عام حالات میں دنیا والوں کو پیار نہیں ہوا کرتا۔ فرمایا خدا فرمائے گا کہاں ہیں وہ لوگ۔ آج میرے سائے کے سوا اور کوئی سایہ میسر نہیں اور میں ان کو سایہ دوں گا کیونکہ خدا کے جلال سے اگر کوئی انسان گھبرا کر کوئی نیکی اختیار کرتا ہے تو اسی جلال کا تقاضا یہ ہے کہ جب کوئی سایہ اس کے جلال سے اور میسر نہ ہو تو اللہ اپنا سایہ ایسے بندوں کے سر پر فرمائے۔

حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ایسا بندہ لایا جائے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا تم نے دنیا میں کیا عمل کیا اور لوگ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے۔

مراد یہ ہے کہ وہ وقت ایسا ہوگا جبکہ کوئی کسی سے کوئی بات چھپا نہیں سکتا اور خدا سے تو ناممکن ہے کہ حشر کے میدان میں کوئی انسان چھپا سکے، اس وقت اللہ تعالیٰ یہ فرمائے گا تم نے دنیا میں کیا عمل کیا؟

’’وہ جواب دے گا اے میرے رب تو نے مجھ مال دیا۔ میں لوگوں سے خرید و فروخت اور لین دین کرتا تھا۔ درگزر کرنا اور نرم سلوک کرنا میری عادت تھی۔ خوشحال اور صاحبِ استطاعت سے بھی آسانی اور سہولت کا رویہ اختیار کیا کرتا تھا اور تنگ دست کو بھی سہولت سے قرض ادا کرنے کی مہلت دیتا تھا‘‘۔

یہ وہ ایک کردار ہے جو بعض دفعہ آپ کو دنیا میں دکھائی دیتا ہے کہ جب وہ لین دین کرتے ہیں تو اپنی فکر نہیں ہوتی اپنے سے زیادہ دوسرے کی فکر کرتے ہیں اور اعلیٰ اخلاق کے نتیجے میں ایسا ہونا ایک طبعی امر ہے۔ جب سودا کرتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ اس کو بھی تو کچھ فائدہ پہنچے سارا میں ہی کیوں اٹھاؤں۔ کوئی نقص ہے، کسی چیز میں تو کھول کے بیان کرتے ہیں اس خیال سے کہ میری وجہ سے کسی بھائی کو نقصان نہ پہنچ جائے۔ کوئی غریب ہو تو اس کو سہولت دے دیتے ہیں۔ کہہ دیتے ہیں کہ اچھا اگر واپس کر سکتے ہو تو کرو، نہیں تو نہ سہی، میں چھوڑتا ہوں گھبرانے کی بات نہیں۔ ایسے شخص کا ایک

ذکر آنحضورؐ فرما رہے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ اسے اٹھائے گا اور پوچھے گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے جب وہ یہ جواب دے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ مجھے اس بات کا زیادہ حق پہنچتا ہے کہ درگزر سے کام لوں اور اپنے اس بندے سے شفقت کا سلوک کروں۔

یہ عجیب بات ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو خدا کے بندوں سے حسن سلوک کرتے ہیں ان کا کوئی حسن سلوک ضائع نہیں جاتا بلکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن یہ فرمائے گا کہ میرا زیادہ حق ہے حسن سلوک کرنے کا۔ اگر میرے بندے نے دوسرے سے حسن سلوک کیا ہے تو آج یہ حق دار ہے کہ میں اس سے بہت بڑھ کر اس سے حسن سلوک کروں۔ ”عقبہؓ بن عامر اور ابومسعودؓ انصاری کہتے ہیں کہ ہم نے بھی یہی بات آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے انہی الفاظ میں سنی۔“ (مسلم کتاب البیوع۔ باب فضل انظار المعسر :2919)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے (یہ بھی صحیح بخاری سے لی گئی ہے اور اس سے پہلی جو تھی جو مسند احمد بن حنبل سے تھی) کہ آپؐ نے فرمایا بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ تجسّس نہ کرو۔ دوسروں کے عیوب کی ٹوہ میں نہ لگے رہو۔ ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو۔ کوئی شخص اپنے بھائی کے پیغام پر پیغام نہ دے، یہاں تک کہ یا تو وہ اس سے نکاح کر لے یا وہ بات ختم ہو جائے۔

یہ چھوٹی چھوٹی ایسی نصیحتیں ہیں جو بعض منفی پہلوؤں سے تعلق رکھتی ہیں۔ جن کے ہوتے ہوئے محبت قائم نہیں رہ سکتی۔ اگر یہ مزاج ہوں تو یہ محبت کو کھا جاتے ہیں۔ پس جہاں آپ محبت کی کوشش کریں وہاں اس بات پر نظر رکھیں کہ بعض ایسے اخلاق ہیں جو دوسرے اخلاق کو کھا جاتے ہیں اور بیک وقت دونوں قائم نہیں رہ سکتے۔ آنحضور ﷺ نے جہاں مثبت تعلیمات عطا فرمائیں وہاں محبت کو کھا جانے والے زہروں کا بھی ذکر فرمایا کہ ان سے پرہیز رکھنا ورنہ تمہاری محبتیں ضائع ہو جائیں گی اور یا تو محبت کرنے کے اہل ہی نہیں بنو گے یا محبت بنی بنائی بگڑ سکتی ہے۔

اس میں پہلی بات ہے کہ بدگمانی سے بچو، بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ اور بہت سے خاندانوں میں جن کے اختلافات کے واقعات مجھ تک پہنچے ہیں ان میں میں نے دیکھا ہے کہ بدگمانی ایک بہت ہی بھیانک کردار ادا کرنے والی چیز ہے۔ بعض خاوند اپنی بیوی پر اتنے بدگمان ہوتے ہیں وہ اگر کسی عزیز رشتے دار سے ہنس کر بات کر لے تو اس پر الزامات کی بوچھاڑ شروع ہو جاتی ہے کہ تم ہو ہی

بدکردار۔ پتا نہیں تم نے کس نظر سے اس کو دیکھا۔ کوئی بچی بے چاری بے تکلفی سے اس گھر میں کھڑی ہے کھڑکی کے پاس، خاوند آ گیا کہ اچھا تم کسی کو دکھانے کے لئے کھڑی تھی۔ میں یہ وہ باتیں کہہ رہا ہوں جو مجھ تک پہنچتی رہتی ہیں اور بہت سی ایسی باتیں ہیں جو تحقیق کے بعد میں بتا رہا ہوں۔ نام نہیں لیتا لیکن ایسے عجیب وغریب واقعات بھی سامنے آتے رہتے ہیں۔ بعض عورتوں کی زندگیاں اجیرن ہو جاتی ہیں صرف خاوند ہی نہیں ساس بھی بدگمانیوں میں پڑی ہوئی ہے، نندیں بھی دوڑ دوڑ کر بھائی کو شکائتیں کرتی ہیں کہ تمہاری جو بیوی ہے جب تم جاتے ہو تو پھر یہ یہ کرتی ہے اور سارا گھر اس کے لئے ایک عذاب کا موجب بن جاتا ہے۔ ایسی بعض عورتیں ہیں وہ سِل کی مریض ہو جاتی ہیں۔ بعض کینسر میں ماری جاتی ہیں۔ عمر بھر گھلتی رہتی ہیں اور یہ لوگ، یہ خاندان، یہ نہیں سوچتے کہ ان کی بچیاں اگر کسی اور گھر میں جائیں ان سے یہ سلوک ہو تو پھر ان کو کیسا لگے گا! ایسے زہریلے اخلاق ہیں کہ جن کے ہوتے ہوئے اخروی محبت یعنی حیات آخرت کی محبت کا تو سوال ہی نہیں دنیا کے عام انسان تعلقات کی محبت ایسے لوگوں کو نصیب نہیں ہوسکتیں۔ یہ گھر اجاڑنے والی باتیں ہیں مگر اس کے علاوہ معاشرے میں بعض لوگ ویسے ہی ہیں جو ہر وقت دوسرے کے تجسس میں رہتے ہیں۔ وہ آیا، وہ گیا، اس نے کیوں ایسا کیا اس نے کسی کو کس نظر سے دیکھا؟ ایسی بے وقوفی ہے اور بداخلاقی ہے اپنا حال پتا کوئی نہیں کہ کس حال میں رہے ہو۔ ہر وقت دوسروں کی ٹوہ میں لگے رہتے ہو اور اکثر آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق جو نتیجے نکالتے ہو وہ جھوٹ ہوتے ہیں۔ یہ جو آنحضورؐ نے نتیجہ نکالا ہے کہ تمہارے نکالے ہوئے نتیجے جھوٹ ہوتے ہیں۔ میں نے اس پر غور کر کے دیکھا ہے نفسیاتی لحاظ سے اس کے سوا کوئی نتیجہ نکل ہی نہیں سکتا۔ وجہ یہ ہے کہ جستجو کرنے والے اور ہر وقت عیب تلاش کرنے والے عموماً نفرت کی نظر سے دیکھ رہے ہوتے ہیں اور جو نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے وہ ہمیشہ عیوب کو بڑھا کر دیکھتا ہے اور لازم ہے کہ غلط نتیجہ نکالے۔ محبت کی آنکھ تو حیادار ہوا کرتی ہے۔ وہ تو اپنے محبوب کی کمزوری دیکھ بھی لے تو آنکھیں اور منہ ادھر کر لیتی ہے اور محبت کی آنکھ سے دوسروں کو دیکھنے والوں سے اللہ تعالیٰ بھی اسی طرح عفو کا سلوک فرماتا ہے۔ جب وہ خود کمزوریوں میں مبتلا ہوتے ہیں تو خدا کی آنکھ گویا انہیں دیکھ رہی اور قرآن کریم میں جو بارہا عفو کا مضمون دکھائی دیتا ہے اس کا یہی مطلب ہے۔ ان بندوں سے عفو فرماتا ہے جو دوسروں سے عفو فرماتے ہیں لیکن ان کا یہ حال ہو کہ ایسی دل میں نفرتیں

ہیں دوسروں کے لئے کہ ہر وقت ان کی برائی کی ٹوہ میں لگے رہیں تو ان کا نتیجہ لازماً جھوٹ ہوتا ہے اور اسی لئے قرآن کریم فرماتا ہے کہ بدظنی سے بچو۔ اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۖ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (الحجرات:13) وہ اثم والا جوظن ہے وہ بدظنی کے نتیجے میں پیدا ہونے والا جھوٹ ہے۔ فرمایا جب تم جھوٹ تک پہنچو گے اور جھوٹے نتیجے نکالو گے تو خدا کے نزدیک پکڑے جاؤ گے اور گناہ میں مبتلا ہو گے۔

پس محبتوں کو زائل کرنے والی اور برباد کر دینے والی ایک عادت ہے جو نظام پر بھی اپنا اثر دکھاتی ہے۔ بسا اوقات جب جماعتوں میں اختلاف پیدا ہوتے ہیں بعض دفعہ لڑائیاں ہو جاتی ہیں۔ میں جب تحقیق کرواتا ہوں تو پتا چلتا ہے کہ فلاں نے فلاں کام فلاں صدر نے اس لئے کیا تھا کہ وہ اپنے عزیز کو یہ فائدہ پہنچا دے۔ فلاں نے فلاں کام اس لئے کیا تھا کہ اس کے کسی دوست کو زیادہ ووٹ مل جائیں۔ ایسی جاہلانہ باتیں، ایسے پاگلوں والے قصے، گھر بیٹھا کوئی پاگل اپنے دماغ میں ایسی باتیں سوچتا رہتا ہے اور پھر نظام سے ناراض ہوا ہوا، دُور ہٹا ہوا کہ ہم بھی پھر مقابل پہ یوں کریں گے حالانکہ جب تحقیق کی جاتی ہے تو اصل آدمی کے فرشتوں کو بھی نہیں پتا کہ کیا ہو رہا ہے۔ وہ اپنا سادگی سے، معصوم طریق پر ذمہ داریوں کو ادا کر رہا ہے۔ ایک بیٹھا بدظنیوں کی گس گھولتا چلا جا رہا ہے۔ ایسے لوگ تو افعی مزاج بن جاتے ہیں، سانپ بھی اسی طرح گس گھولتا رہتا ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے جہاں محبتوں کی تعلیم دی وہاں محبتوں کو ہلاک کر دینے والی خصلتوں کی بھی نشاندہی فرمائی۔ فرمایا اول یہ ہے کہ بدظنی سے بچو اگر تم بدظنی میں مبتلا ہوئے تو نہ تمہارے گھر کے رشتے قائم رہ سکتے ہیں نہ تمہاری سوسائٹی کے رشتے قائم رہ سکتے ہیں۔ اگر کسی میں نقص ہے تو خدا پر چھوڑ دو۔ کیا ضرورت ہے اس کی تلاش کرو اور پھر بغیر گواہی کے، بغیر دیکھے اندازہ لگا لینا اور اس پر اپنا مزاج بگاڑ لینا اور کسی معصوم کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا بہت بڑا گناہ ہے۔

فرمایا ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو۔ بدظنی کی عادت بغض کو چاہتی ہے بغض کے نتیجے میں بدظنیاں پیدا ہوتی ہیں اور بدظنی کے نتیجے میں لازماً بغض بڑھتے ہیں اور ایک اور چیز بیان فرمائی جس کا بظاہر اس سے تعلق نہیں ہے۔ وہ یہ ہے کہ اپنے بھائی کے پیغام پر پیغام نہ دیا کرو۔ دراصل فطرت کی جو کجی بیان ہو رہی ہے اس کا اسی سے تعلق ہے۔ ایک انسان جب کسی اچھے رشتے کے متعلق پتا کرتا

ہے کہ کسی اور نے پیغام دے دیا ہے تو بعض لوگ دوڑتے ہیں اور کسی اور ذریعے سے وہ پیغام بھیج دیتے ہیں تا کہ وہ اچھا رشتہ اس کو نہ ملے اور ان کو مل جائے۔ آنحضرت ﷺ نے مومن کو جو اخلاق سکھائے ہیں یا اپنے غلاموں کو جو اخلاق سکھائے ہیں ان میں یہ بات بھی داخل فرمائی ہے کہ اس کے پیچھے بھی دراصل خفیہ حسد ہے، اس کے پیچھے بھی دراصل مخفی بدی ہے ورنہ اگر تمہیں اپنے بھائی سے پیار اور محبت ہو تو وہ اچھی چیز جس کو تم اچھا سمجھتے ہو اس کو وہ ہاتھ آ جائے تو تمہیں کیا تکلیف ہے اور پہلے پھر، اس کو خیال آیا ہے تمہیں تو نہیں پہلے خیال آیا۔ اس لئے اب صبر کرو اگر تم نے دیر کی ہے رشتہ کا پیغام دینے میں، تو تم ذمہ دار ہو اپنے بھائی کے رشتے میں دخل اندازی نہ کرو۔ اگر یہ طریق چلے تو ہر وہ بچی جس کا رشتہ گھر میں آتا ہے تو اس کے ماں باپ یکسوئی سے اس شخص کو پیش نظر رکھ کر فیصلے کر سکتے ہیں۔ اگر یہ انتظار کریں کہ اور رشتے آئیں پھر ہم موازنہ کریں پھر اور رشتے آئیں پھر ہم موازنہ کریں تو یہ تو نیلامی لگ جائے گی۔ حقیقت میں اس سے معاشرہ سنورتا نہیں بلکہ بگڑ جاتا ہے۔ جن لوگوں کو یہ عادت ہو کہ انتظار کرتے رہیں کہ یہ رشتہ بھی ہاتھ میں رہے پھر اور آ جائے۔ وہ بھی اس حدیث کے مضمون کی مخالفت کرنے والے ہیں۔ جو پیغام پر پیغام دیتا ہے وہ بھی مخالفت کرتا ہے یہاں تو لڑکی اور جاندار کا معاملہ ہے آنحضور ﷺ تو اس بات کو بھی پسند نہیں فرماتے تھے کہ باہر سے اگر قافلے آتے ہیں تو ایک شخص جب سودا کر رہا ہے تو دوسرا جا کر اس سودے میں دخل اندازی کرے۔ فرمایا ٹھہرا کرو، انتظار کرو۔ جب پہلا سودا اگر اس کے حق میں ہو جائے تو بسم اللہ ٹھیک ہے اگر نہ ہو پھر تمہارا حق ہے کہ اپنی بات کرو۔ (بخاری کتاب الشروط: 2525) تو یہ وہ اخلاق حسنہ کے ایسے پہلو ہیں جن کو ہم منفی پہلو شمار کر سکتے ہیں یعنی یہ منفی پہلو اگر موجود رہیں گے تو اخلاق حسنہ کے مثبت رنگ آپ پر نہیں چڑھ سکتے۔ بعض داغ ایسے ہوتے ہیں ان پر بعض رنگ چڑھ ہی نہیں سکتے۔ آنحضور ﷺ نے ان داغوں کی نشاندھی فرمائی ہے۔

پس اگر آپ حقیقت میں ایک دوسرے کے ساتھ للّٰہی محبت کے رشتے باندھنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے دنیاوی، عام روزمرہ کے تعلقات کو کم سے کم انسانیت کے معیار تک تو پہنچائیں۔ اگر آپ پہنچائیں اور اس دوران اپنے کپڑے سے وہ داغ دور کرتے رہیں جو اچھے رنگ کپڑے پر نہیں چڑھنے دیا کرتے بلکہ ہر رنگ میں اپنا چہرہ دکھاتے ہیں۔ جب تک آپ ان کو صاف نہیں کر لیں گے

آپ اس لائق نہیں ہوں گے کہ اس خَلْقًا اٰخَرَ کی تربیت کے دور میں داخل ہوں جس میں مومنوں کی ایک عظیم الشان اعلیٰ پائے کی تربیت شروع ہوتی ہے۔خونی رشتوں کے تعلقات کا حق ادا کرنے کے بعد پھر وہ بیرونی دنیا سے ویسے ہی تعلقات باندھتے ہیں۔ پھر عدل، احسان میں تبدیل ہونے لگتا ہے۔ پھر احسان، ایتاء ذی القربیٰ میں بدل جاتا ہے پھر ساری دنیا ایک ہی خاندان دکھائی دینے لگتی ہے اگر چہ بظاہر خون کے رشتے نہیں ہوتے۔اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے اور حضور اکرم ﷺ کے نقش قدم پر چل کر وہ اعلیٰ کردار اپنانے کی توفیق بخشے جس کی طاقت سے ہم نے تمام دنیا کے کردار کو بدلنا ہے اور محمدی کردار میں تبدیل کر دینا ہے۔

خطبہ ثانیہ سے قبل حضور انور نے فرمایا:

دو اعلان ہیں جو خطبہ ثانیہ سے پہلے میں کرنا چاہتا ہوں۔ایک تو یہ ہے کہ جماعت انڈونیشیا کا جلسہ سالانہ ہو رہا ہے انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ ان کو بھی دوست اپنی دعا میں یاد رکھیں۔انڈونیشیا کی جماعت بھی بڑی مخلص اور فدائی اور مشکل حالات میں بھی ثابت قدم ہے اور کئی پہلوؤں سے دنیا کی جماعتوں کے لئے نمونہ ہے۔سکنڈے نیوین ممالک کی تینوں ذیلی تنظیموں کا آج مشترکہ اجتماع شروع ہو رہا ہے اور یہ غالباً سویڈن میں ہوگا۔ بروز ہفتہ لجنہ اماء اللہ۔ ناصرات الاحمدیہ واشنگٹن ڈی سی کے مقامی اجتماعات منعقد ہو رہے ہیں۔ان سب کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں اللہ ہر پہلو سے ان اجتماعات کو بابرکت فرمائے۔

ایک افسوسناک خبر ہے وہ ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک صحابی حضرت مولوی محمد حسین صاحب جو انگلستان کے جلسے میں بھی شرکت فرماتے رہے اور کثرت سے لوگ ان کو اس وجہ سے ملتے رہے نئی نسل کے لوگ کہ وہ تابعین میں شمار ہو جائیں اور ان کے پاس بیٹھے۔میں نے اپنے نواسوں کو اور نواسیوں کو ان سے اسی نیت سے ملایا تھا۔تصویر بھی کھینچی تھی تا کہ وہ کہہ سکیں کہ ہم نے ایک صحابی کو دیکھا اس کے ہاتھ سے ہاتھ ملایا۔تو یہ برکتیں بہت ہی کم رہ گئی ہیں اب۔اور مولوی محمد حسین صاحب کا تو اپنا ایک مقام ایک رنگ تھا سبز پگڑی والے کہلاتے تھے۔بچپن کے زمانے میں جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک صندوق کی یا سیف کی چابی گم گئی تو آپؑ نے چابی بنوانے کے لئے بازار میں بھجوایا جہاں ان کے والد غالباً لوہارے کا کام کرتے تھے تو

ان کو بھجا گیا کہ آپ جاکے چابی ٹھیک کریں، درست کریں یا تالا کھول دیں جو بھی شکل تھی۔ تو یہ واقعہ ان کو خوب اچھی طرح یاد تھا اور سبز پگڑی والے مشہور تھے۔ ہر جگہ مبلغ کے طور پر جہاں پھرتے تھے ہر دلعزیز ہوتے تھے غیر احمدی علماء ان سے بہت گھبراتے تھے کیونکہ اللہ کے فضل سے ان کو استدلال کی بھی بڑی طاقت نصیب تھی اور طبیعت میں مزاح بھی تھا۔ جہاں موقع محل کا تقاضا ہو وہاں مزاح ملا کر ساتھ اپنی دلیل کو بڑی طاقت عطا کر دیا کرتے تھے۔ کل اطلاع ملی ہے کہ آپ وصال پا گئے ہیں مولائے حقیقی کے حضور حاضر ہو چکے ہیں۔ ان کے رشتہ دار کافی دنیا میں خدا کے فضل سے پھیلے ہوئے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا کی برکت سے اس خاندان کو بہت برکت ملی ہے، سب دنیا میں پھیل گئے ہیں۔ میرا خیال ہے اس وقت وصال کے وقت تک یہ ایک جوڑا ایک سو چھتیس بن چکا ہے تو اللہ کے فضل سے اس طرح صحابہ کی اولاد کو بھی بڑی برکت ملی ہے۔

دوسرے ایک بزرگ سید غلام ابراہیم صاحب صدر جماعت احمدیہ کیندرہ پاڑاہ (اڑیسہ) تراسی سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ قادیان میں پہلی بار ان سے ملاقات ہوئی تھی اور میں ان سے بہت متأثر ہوا تھا۔ بہت بزرگ صاف گو اور بہت ہی باوفا انسان تھے۔ سونگڑہ کی جماعت میں شدید مخالفت کے دوران بھی یہ ثابت قدم رہے اس کے اردگرد کے علاقے میں بھی اور ہمیشہ احمدیت کے لئے ایک ننگی تلوار رہے۔ ان کو احساس ہو گیا تھا کہ ان کے وصال کے دن قریب آ رہے ہیں۔ عمر بھی زیادہ تھی اور صحت بھی کافی گر گئی تھی تو وہیں مجھ سے انہوں نے وعدہ لیا کہ میرا نماز جنازہ آپ نے ضرور پڑھانا ہے اور پھر ہر خط میں یاد دلایا کرتے تھے کہ وہ میرا وعدہ نہیں بھولنا۔ میں ان کو تسلی کا جواب دیا کرتا تھا کہ خدا کرے آپ کو لمبی صحت ملے مگر وہ کہتے تھے کہ نہیں آپ نے یہ وعدہ ضرور یاد رکھنا ہے کہ میری نماز جنازہ پڑھائیں۔ تو اس لئے آج کی نماز جنازہ میں ان کو بھی شامل کیا جائے گا اور اس کے علاوہ کچھ نام ہیں جن کا اعلان کر دیا گیا ہے۔

تو نماز جمعہ کے بعد عصر کی نماز ہوگی اور عصر کی نماز کے معاً بعد دوست صف بندی کر لیں۔ پھر انشاء اللہ نماز جنازہ غائب پڑھائی جائے گی۔